© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

محتویاتِ قرآن

(۳)

نصاریٰ

قرآنِ حکیم نے عیسائیت پر کیا گرفت کی۔ اور عقائد و ایمانیات کے باب میں ان کی کن کن گمراہیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں گفتگو کیجیے تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں مخاصمہ اور دلیل آرائی کا کیا انداز رہا۔ ان سوالات کے جوابات معلوم کرنے سے پہلے ان کا مختصر تعارف نہایت ضروری ہے۔

نصاریٰ معرب لفظ ہے۔ بعض مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ اس کا مآخذ "نصرایا" (NASRAYA) ہے۔ عیسائیوں کے معنی میں اس کا اول اول اطلاق یہودی حلقوں میں ہوا اکثر مؤرخین کے نقطۂ نظر سے اس کا تعلق لفظ "ناصرہ" ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کو حضرت مسیح کے مولد اور جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔ عرب لغت نگاروں نے اس کو ایسی اصطلاح قرار دیا ہے جس کا ماخذ متعین نہیں۔ یہی وجہ ہے ان کے ہاں اس کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شعرا میں امیہ بن ابی الصلت، ابی جابر بن حنی اور حاتم طائی نے اپنے کلام میں کہیں کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔

قدیم عیسائی بھی اپنے کو عیسائی یا نصاریٰ نہیں کہلاتے تھے۔ بلکہ اس کے ہاں عموماً شاگرد یا تلامیذ (DISCIPLES) کی اصطلاح رائج تھی۔ 'اخوان' (BRCTHREN) اور مقدس یا قدیس (SAINTS) کا اطلاق بھی ان میں عام تھا اور بت پرستوں اور منکروں کے مقابلہ میں یہ اکثر مومنین (BELIEVER) کہلانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ نیز یہودیوں کی طرح یہ بھی اس

لہ اعمال الاصحاح ۲۴، آیت ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلط فہمی میں گرفتار تھے کہ ان کا تعلق اللہ کی مخلوق میں سے منتخب اور چیدہ (ELECT) لوگوں سے ہے۔

مغرب کے دینی حلقوں یا کلیساؤں میں انھیں کرسچین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک یونانی لفظ (CHRISTOR) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ایسی ممتاز شخصیت کے ہیں جو عیسائی دنیا کے لیے آخر آخر میں نجات دہندہ ثابت ہوگی۔

مشرق کے کلیساؤں میں بالعموم اور عربوں میں بالخصوص انھیں نصاریٰ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے انھیں اسی معروف نام سے پکارا ہے [۵۲]

عیسائی جزیرۃ العرب میں کب آباد ہوئے اس کی ٹھیک ٹھیک تعیین مشکل ہے۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ یہودیوں کی طرح مالی و مادی مشکلات و ضروریات نے ان کو ہجرت پر مجبور نہیں کیا بلکہ اول اول یہ تبلیغی اغراض کے لیے یہاں آئے۔ یہی وجہ ہے جس گروہ نے پہلے پہل صحراؤں میں خانقاہیں یا ادیرہ قائم کیے وہ رہبان اور تارک الدنیا درویش ہی تھے۔ ان کا طریق تبلیغ یہ تھا کہ یہ ان خانقاہوں کو عبادت و مجاہدہ کے علاوہ مہمان نوازی کے لوازم سے آراستہ رکھتے اور عربوں کے بھولے بھٹکے قافلے جب اتفاق سے ادھر آنکلتے تو یہ ان کی خوب آؤ بھگت کرتے۔ یعنی عمدہ اور نفیس کھانوں کے علاوہ ان کے لیے روم کے مینانوں سے درآمد شدہ شراب ناب مہیا کی جاتی اور ان کے اعزاز میں رقص و سرود کی محفلیں بھی سجائی جاتیں [۵۳]

ان خانقاہوں کا جال عراق، شام، نجد اور حجاز کے صحراؤں تک پھیلا ہوا تھا سلطنتِ روم ان کی باقاعدہ مالی مدد کرتی۔ عیسائیوں کی ان تبلیغی کوششوں کا بالواسطہ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی تجارتی قافلے اور قبائل ان سے متعارف اور متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے تو کھلم کھلا عیسائیت کو قبول بھی کر لیا۔ جیسے تغلب، غسان اور قضاعہ۔ یمن

---

[۵۲] دیکھیے البقرہ ۶۲، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۲۰، ۱۳۵ - المائدہ ۱۴، ۵۱، ۸۲ - التوبہ ۳۰، الحج ۱۷

[۵۳] تاریخ قبل الاسلام، جواد علی، ج ۶، ص ۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوصیّت سے ان کا تبلیغی مرکز تھا۔ یہاں عیسائیت نے اس درجہ فروغ حاصل کیا کہ
رب کے کلیساؤں تک میں یہاں کے اسافقہ کا نام ادب و احترام سے لیا جاتا۔ یعنی
اسقفہ اور عیسائیت کے ان علمبرداروں کے علمی و تہذیبی مقام کا اندازہ اس سے لگا
کہ جب ۳۲۵ میں نیقیہ میں مشرق و مغرب کے بڑے بڑے اساطین اور ائمہ اس
مں سے جمع ہوئے کہ عیسائیت کے عقائد و افکار کی صحیح صحیح تشریح کی جائے تو اس میں
یت کے لیے ایک مندوب یمن سے بھی آیا تھا۔ [۵۴]

نیقیہ کی اس مجلس کو کلیسا کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں عیسائی
قوں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ متون و صحائف کی چھان بین
ئی اور ان کے درجہ استناد کے بارہ میں دوررس فیصلے کیے گئے۔ نیز کوشش کی گئی کہ
سائیت کو ایک نظام و عقائد کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ بھی
سکتے ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے افکار و نظریات کا تانا بانا جن عناصر سے تیار ہوا ان
نیقیہ کی اس مجلس کے فیصلوں کو خاص مقام حاصل ہے، کیونکہ عیسائیت اس کے
اور کیا ہے۔ مسیح کی صاف ستھری اور پاکیزہ اخلاقی تعلیمات، پال کی فلسفہ آرائی اور
مجلسِ بحث و تحقیق کے وہ نتائج جو باہمی بحث و جدل اور اکھاڑ پچھاڑ کے بعد منظر عام
ئے۔ یہی وہ معرکہ آرا اجتماع تھا جس میں توحید کے حامیوں کو شکست سے دوچار
پڑا۔ اور میدان تثلیث کے حامیوں کے ہاتھ رہا۔ اور شاید یہی اس مجلس کے انعقاد
یقی مقصد بھی تھا۔ اس موضوع میں عیسائیت کے مزاج و تصور میں جو زبردست تبدیلی
ا ہوئی۔ اس نے عیسائیت کو مسخ کر کے رکھ دیا، یعنی عیسائیت کا سرچشمہ حضرت
کی تعلیمات و ارشادات کے بجائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پال کے وہ خیالات و افکار
پائے۔ جن پر یونانی فلسفہ اور رومی دیو مالا کی چھاپ نمایاں تھی۔ عرب میں ایسے
ہ ان عیسائی مبلغین نے براہِ راست عیسائیت کی کیا علمی خدمات انجام دیں اور

---

[۵۴] تاریخ قبل الاسلام، جواد علی، ج ۶، ص ۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بائبل کے کن صحائف کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ یا عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے کیا تحریری مواد معرضِ وجود میں آیا۔ عربوں اور عبرانیوں دونوں کی تاریخ میں اس کا کوئی واضح اور مفصل جواب نہیں ملتا۔

بعض تاریخی شواہد سے اس حقیقت کا البتہ سراغ ملتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے کچھ پہلے ان کی اخلاقی و دینی حالت عربوں سے ذرہ بھی مختلف نہ تھی یہ خانقاہیں اور تبلیغ کے مراکز جن کو اول اول خالص تبلیغ کے نقطۂ نگاہ سے قائم کیا گیا تھا۔ یا تو ٹھیٹھ رہبانیت کی پرورش گاہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں یا پھر یہاں عیش و طرب اور فسق و فجور کے داعیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ان کے دینی اور تہذیبی انحطاط کا یہ عالم تھا کہ عربوں میں عیسائیت کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے، کہ یہ ایک ایسا گروہ ہے، جو صلیب کی پرستش کرتا، شراب پیتا اور سؤر کھاتا ہے اور کسی نظامِ اخلاق کا پیروکار نہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کی احادیث سیر کی کتابوں سے تائید ہوتی ہے۔ بلاذری کا کہنا ہے کہ جب نجران کے دو ربیوں کا ایک وفد آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہوا، تو آپؐ نے فرمایا:

یمنعکما من الاسلام ثلٰث: اکلکما الخنزیر وعبادتکما الصلیب وقولکما للہ ولد[۵]

تمہیں اسلام سے تین چیزوں نے محروم کر رکھا ہے۔ سور کو غذا ٹھہرانا، صلیب کی پرستش کرنا۔ اور اس پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی بیٹا ہے۔

عیسائیوں کا خنزیر و خمر سے شغف رکھنا عام عربوں میں اس درجہ جانی بوجھی اور مسلمہ حقیقت تھی کہ مشہور شاعر ذی الرمہ کو بھی کہنا پڑا۔

ولکن اصل امراء القیس معشر   یحل لھم اکل الخنازیر والخمر

عیسائیوں سے مخاصمہ کی نوعیت

قرآنِ حکیم اور نصاریٰ میں مخاصمہ اور مناظرہ کا مرکز کون کون مباحث رہے۔ یا کن امور اور

---

۵ تاریخ قبل الاسلام، جواد علی، ج ۶، ص ۱۷   ۶ النصرانیہ۔ ص ۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کو قرآن نے بحث و تحقیق کا ہدف ٹھہرایا ۔ اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے کہ اصولاً دو ہی باتیں تھیں جو عیسائیت کے فکری و عملی بگاڑ کا باعث ہوئیں ۔ تفاخر اور غلو اور انہی دو کی کوکھ سے تمام ان برائیوں نے جنم لیا ۔ جن پر قرآن حکیم نے جابجا گرفت لی ۔

تفاخر

کسی بھی نظامِ حیات کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں عمل و کردار کے جو پیمانے پائے جاتے ہیں ۔ ان کی اخلاص اور صدق شعاری سے پیروی کی جائے ۔ اور اگر کوئی قوم انفرادی اور اجتماعی سطح پر ان پیمانوں پر عمل پیرا ہے تو نہ صرف اس سے اس نظامِ حیات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے گا ۔ جس کو اس قوم نے مانا اور تسلیم کیا ہے بلکہ جس نسبت سے یہ قوم ان اصولوں سے استفادہ کناں ہوگی اسی نسبت سے ان پر یہ ناز بھی کر سکے گی ۔ ظاہر ہے تفاخر کی یہ صورت ہرگز مذموم نہیں قرار دی جا سکتی ۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں تفاخر اور پندار کا جو مہلک مرض پایا جاتا تھا، وہ ایک طرح کے نفاق اور فکر و عمل کے تضاد پر مبنی تھا ۔ کہنے کو یہ لوگ، بلاشبہ یہودی اور عیسائی ہی تھے مگر جہاں تک عمل اور روزمرہ زندگی کا تعلق ہے ان میں نہ تو تورات کے احکامِ عشرہ کی ادنیٰ جھلک دکھائی دیتی تھی، اور نہ انجیل کی سیدھی سادھی تعلیمات کا کوئی اثر ہی نمایاں نظر آتا تھا ۔ اور اس بے عملی پر غرّہ یہ تھا کہ چونکہ یہ یہودیت اور عیسائیت کے نام لیوا ہیں، اس لیے ہر گناہ اور معصیت ان کو معاف ہے اور ہر نوع کے ظلم و الحاد کی ان کو کھلی چھٹی ہے ۔ یہ جو چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں مذہب و دین کی دھجیاں اُڑائیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ۔ یہی نہیں عنداللہ بھی ان پر کوئی گرفت نہیں ہونے کی ۔

یوم الحساب کی جواب دہی اور بحثوں سے یہ محض اس وجہ سے محفوظ رہیں گے کہ آخر یہ تورات اور انجیل کو ماننے والے تو ہیں اور ان کا تعلق اس نظامِ زندگی سے تو ہے ۔ جس کو پیش کرنے والے حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح الیسی عظیم المرتبت شخصیتیں ہیں ۔ تفاخر کا یہ انداز کسی قوم میں اس وقت اُبھرتا ہے جب وہ انحطاط پذیر ہوتی ہے اور مذہب و دین کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کی روح و حقیقت کو فکر و ذہن کا جز ٹھہرا لینے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے نام اور لیبل ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتی ہیں اور یہ نہیں سمجھا جاتا کہ مذہب و دین کے معاملات میں اہمیت عمل و کردار کو حاصل ہے۔ نام اور دعوائے باطل کو نہیں یعنی کسی دینی نظام کو اپنانے سے اگر دلوں میں نیکی یا محبت نہیں پیدا ہوتی۔ برائی اور شر سے مجتنب رہنے کا جذبہ نہیں ابھرتا۔ اللہ تعالیٰ سے عبودیت اور بندگی کا رشتہ استوار نہیں ہوتا اور اعلیٰ روحانی اخلاقی قدروں سے لگاؤ اور اس کے داعیے پیدا نہیں ہو پاتے۔ تو اس زندگی کو جس نام سے چاہیے موسوم کر لیجیے، زندگی کا یہ ڈھنگ اور طور طریق مذہبی و دینی ڈھنگ اور طور طریق بہرحال نہیں کہلا سکتا۔

مذہب و دین کے بازار میں نہ صرف نقد عمل کا چلن ہے بلکہ ہر ہر عمل کی قیمت بھی مقرر ہے۔ اس کا صلہ اور نتیجہ بھی متعین ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بیج تو برائی کا بوئیں اور نتیجے میں نیکی اور کامرانی کے سزاوار ہوں۔ تعلیل اور مکافات کا یہی وہ جانا بوجھا اور ہمہ گیر قانون ہے۔ یہی حقیقت ہے جو طبیعات اور مادہ کے دور سے لے کر اخلاقیات کے دائروں تک اس کارگاہِ حیات میں پوری طرح جاری و ساری ہے اور قرآنِ حکیم نے عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکینِ مکہ کے تفاخر بیجا پر اس کا اظہار جو مختلف مواقع پر فرمایا ہے اس میں حق و انصاف کے اسی قاعدہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

لیس باما نیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءً یجز بہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیاً ولا نصیراً ہ[۵۴]

نجات و کامرانی کا مدار نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کا ارتکاب کریگا، اس کی سزا پاکے رہے گا۔ اور خدا کے سوا نہ تو اس کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصٰریٰ، تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ہ[۵۵]

اور یہودیوں اور عیسائیوں کا کہنا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔

---

۵۴ النساء : ۱۲۳

۵۵ البقرہ : ۱۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ محض ان کی خوش خیالیاں ہیں۔ آپ ان سے کہیں کہ اس پر کوئی دلیل تو پیش کرو۔

غرض یہ ہے کہ نجات و فلاح کا دارومدار نام، لیبل اور حلقوں اور دائروں پر نہیں عمل اور نیکی پر ہے۔ اور ایمان و عقیدہ کی اس نوعیت پر جس سے خیر و خوبی کے تقاضے آگے بڑھیں، سیرت و کردار کے گوشے سنواریں اور اللہ تعالیٰ سے رشتہ و تعلق کی کیفیتوں میں اضافہ ہو۔ تفاخر بے جا کی خو جہاں انحطاط پذیری کی علامت ہے، وہاں انحطاط اور زوال کی علت اور سبب بھی ہے۔ یہ بیماری جب کسی قوم یا گروہ میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے صرف اتنا ہی نقصان نہیں پہنچتا کہ عمل، کوشش اور جد و جہد کی صلاحیتیں چھن جاتی ہیں۔ اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں مبتلا قوم یا معاشرہ سرے سے اس قابل ہی نہیں رہتا کہ اپنے دَور میں خیر و خوبی کے محرکات کو جان سکے۔ زندگی کی نشاط آفرینیوں سے استفادہ کر سکے اور علم و ہنر کی اس روشنی سے قلب و ذہن کو آراستہ کر سکے جس سے اس کا گرد و پیش مستنیر ہے۔ یہی وجہ ہے قرآنِ حکیم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے مخاصمہ کے دوران اس برائی کو خصوصیت سے ہدفِ تنقید ٹھہرایا اور کہا کہ اس کے لیے کوئی عقلی جواز پایا نہیں جاتا کہ تم ہر طرح کی بدعملی کے باوجود محض اس انتساب کے بل پر جنت کے تنہا حق دار قرار پاؤ کہ تم عیسائی یا نصرانی ہو۔

قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ۝

آپ ان سے کہیں کہ اس پر کوئی دلیل تو پیش کرو۔

غلو

جس طرح انسان بیمار ہوتا ہے اور طرح طرح کے عوارض و آفات اس سے توانائیاں چھین لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح قومیں اور معاشرے بھی بسا اوقات آفات و بلیات کا شکار ہو کر اپنی اصل قوت کھو بیٹھتے ہیں، اور پھر جس طرح انسانی امراض بیک وقت داخلی و خارجی عوامل سے ترکیب پاتے ہیں بعینہٖ اسی طرح قومیں جب فکر و نظر کے فساد و عارضہ سے دوچار ہوتی ہیں تو . . . . ان میں بھی اسباب و عوامل کی یہی دوئی کارفرما نظر آتی ہے

عقائد کے باب میں غلو اور مبالغہ آرائی من جملہ ان عوارض و آفات، کے ہے جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف قومیں اور تہذیبیں اپنے داخلی و خارجی تاریخی اسباب کی بنا پر اکثر دوچار ہوئیں ہیں۔ اور ہمیں اجازت دیجیے کہ "عیسائیت" کو بھی ہم منجملہ انہی قوموں اور تہذیبوں میں شمار کریں جو اس بیماری میں مبتلا ہوئیں، اور اس کی وجہ سے اپنی تعلیمات کے اس فطری حسن اور نکھار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھی جس میں درحقیقت اس کی زندگی اور بقا کا راز مضمر تھا۔

عیسائیت کے بگاڑ اور فکر و عمل کے انحطاط کے داخلی اسباب یہ قلموں ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت مسیح کے اولیں مخاطب ایسے ان پڑھ مچھیرے اور ادنی درجہ کے لوگ تھے جو حضرت مسیح کی فلسفیانہ تعلیمات کو "ہضم کرنے اور فکر و عمل کا جزو بنانے کی استطاعت سے محروم تھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسیح کی تعلیمات کسی فعال اور فہمیدہ معاشرہ کے رگ و پیشہ میں نہ رچ بس سکی اور نہ محفوظ ہی رہ سکی۔

حضرت مسیح کے سوانح نگاروں نے ان کی مفروضہ موت کے بعد ان کی تعلیمات کو جس رنگ میں پیش کیا، یہ نہ تو تاریخ و سیر کے پیمانوں کے مطابق ہے اور نہ وحی و تنزیل کی سطح پر فائز۔ کیونکہ اس میں اختلافات و تضادات کی جو کثرت اور فراوانی ہے اس سے اس کے درجۂ استناد کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ موجودہ عیسائیت کے سب سے بڑے ترجمان پال کا کردار بھی تاریخ کی نظروں میں مشکوک ہے۔ جیسا کہ گزشتہ بحثوں میں تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ عیسائیت کے بگاڑ میں جہاں تک خارجی اسباب کا تعلق ہے۔ اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ جب قسطنطین حلقہ بگوش عیسائیت ہوا اور پھر عیسائیت کو اس کامیابی کے نتیجہ میں ان اجنبی اقوام میں گھل مل کر رہنے کا موقع ملا تو اس سے عیسائیت نہ صرف اپنا تشخص کھو بیٹھی۔ بلکہ ان عقائد اور افکار کو بھی اپنانے پر مجبور ہوئی جو ان میں اس وقت رائج تھے اور صراحتاً غلو اور شرک کے آئینہ دار تھے۔

غلو و مبالغہ آرائی نے عیسائیت کے حسین چہرہ کو کیونکر بگاڑا اور عقیدہ و فکر کی کن کن گمراہیوں کی تخلیق کی۔ قرآن حکیم نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القھا الی مریم وروح منہ فامنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثلٰثة انتهوا خيرا لكم انما الله اله واحد سبحانه ان يكون له ولد له ما في السموٰت وما في الارض وكفى بالله وكيلا ۵۹

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح مریم کے بیٹے عیسٰی نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ تو خدا کے رسول اور کلمہ تھے جو خدا نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ تمھیں چاہیے کہ خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس اعتقاد سے باز آؤ۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے، خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے بیٹا ہو جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا تو ہے اور خدا ہی کا کارساز ہونا کافی ہے۔

گویا غلو فی الدین کے جذبہ نے توحید کے صاف ستھرے اور تاریخی تصور سے ہٹ کر تثلیث کی نئی اور ملحدانہ راہ اختیار کی۔ جس کا اگر منطقی تجزیہ کیا جائے، تو نہ توحید توحید ہی رہتی ہے اور نہ تثلیث تثلیث۔ کیونکہ توحید تجرید و تنزیہ کی طالب ہے اور تثلیث، تجسیم، شرک اور کثرت و تعدد کی مقتضی۔ ظاہر ہے ان دونوں میں رشتہ و تعلق کی نوعیت قطعی تضاد کی حامل ہے۔ جیسے بعض عیسائی متکلمین علانیہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن پھر یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یہ اسرار لاہوت میں کا ایک سر ہے جس کو عقل و خرد کی درماندگی سمجھنے سے قاصر ہے۔ قرآن حکیم کے مخاصمہ و بحث نے اس کے مقابلہ میں جو صورت اختیار کی وہ تین نکات پر مشتمل ہے۔

(۱) یہ کہ یہ عقیدہ صراحتاً غلو پر مبنی ہے۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے چونکہ حضرت مسیح نبوت ہی کے سلسلۃ الذہب کی ایک تاباں و درخشندہ کڑی ہیں۔ جو کلمہ تکوین کا براہ راست نتیجہ ہونے کی وجہ سے روح اللہ کے لقب سے بھی سرفراز ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی دعوت کا انداز بھی اصولاً وہی ہو جو گزشتہ انبیا نے اختیار کیا۔ یعنی توحید اور ایک اللہ کی عبادت کی تلقین۔ خود بائبل میں بھی جس عقیدہ کو بار بار پیش کیا گیا وہ اسی توحید ہی کی وضاحت و ابلاغ پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی مسلمہ حقیقت کو اپنے مخصوص اور اثر آفریں

---

۵۹ النساء : ۱۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیرایۂ بیان میں جابجا یوں واضح کیا ہے :

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت [سلہ]

اور ہم نے ہر گروہ میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی پرستش کرو اور بتوں کی عبادت سے مجتنب رہو۔

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم واسماعیل واسحاق الٰہا واحدا ونحن لہ مسلمون [ملہ]

بھلا جس وقت یعقوب فوت ہونے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے۔ انھوں نے جواب میں کہا، آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی خدائے واحد کے حکم بردار ہیں۔

گویا قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے کہ جب اول یوم سے حضرات انبیا نے توحید کی تبلیغ واشاعت ہی کو اپنی زندگی اور بعثت کا نصب العین ٹھہرایا ہے اور ہر ہر دور میں شرک و بت پرستی اور ان کے لوازم سے باز رہنے کی بار بار تلقین کی ہے تو اس صورت میں یکایک جادۂ توحید سے منحرف ہو کر تجسیم، تعدد اور شرک کی راہ اپنانے کی بجز غلو کے اور کیا وجہ جواز ممکن ہے۔

(۲) تثلیث کا یہ عقیدہ جس کا پال سے آغاز ہوا اور نیقیہ کی مجلس بحث نے جس کی سرپرستی کی، نہ تو اس منطق کے مطابق ہے، جس کا تعلق انسانی فطرت و ساخت سے ہے اور نہ اس فلسفہ ہی سے اس کا میل ثابت کیا جا سکتا ہے جس کا تعلق حدود الوہیت سے ہے، کیونکہ عبد و معبود میں فرق مرتبہ و درجہ کا نہیں جوہر ذات کا ہے۔ انسان محدود و فانی ہے اور خدا غیر محدود اور ابدی۔ انسان سراسر پیکر احتیاج و اضطرار ہے اور اللہ تعالیٰ غنی و بے نیاز۔ اس صورت میں ان دونوں میں تطبیق و توافق ہو تو کیوں کر نہ یہ ممکن ہے کہ الوہیت کا بحر ناپیداکنار سمٹ کر جوئے تنک آب ہو جائے اور نہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ انسان حدود بشری کو پھلانگ کر عالم لاہوت کو چھونے پر قادر ہو۔ یہی نہیں ایک کا وجود

سلہ النحل : ۳۶ ملہ بقرہ : ۱۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے کی نفی پر منتج ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بشری قالب میں ڈھالیں گے تو اللہ تعالیٰ نہ رہے گا اور انسان دائرۂ لاہوت میں قدم رکھے گا تو انسان نہیں رہے گا۔

(۳) مناصمہ کا آخری نکتہ یہ ہے کہ فکر و دانش کے اس گورکھ دھندے میں خیر و فائدہ کا کیا پہلو پایا جاتا ہے جس کو تم لوگ تثلیث سے تعبیر کرتے ہو، کیونکہ جہاں تک عقیدۂ توحید کا تعلق ہے اس سے تو انسان میں احساس شرف بیدار ہوتا ہے۔ کائنات میں اس کا ٹھیک ٹھیک درجہ و مقام متعین ہوتا ہے۔ مزید برآں انسانی برادری میں اخوت و مساوات کے رشتے پرورش پاتے اور مضبوط ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے انسان کا خدا اور کائنات کے بارہ میں صحیح اسلوب فکر ابھرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تثلیث سے کیا حاصل ہوتا ہے اور یہ کن فکری و عملی فوائد کی حامل ہے۔ توحید اور توحید فی التثلیث میں بنیادی اور منطقی فرق یہ ہے کہ توحید ایک دعویٰ ہے، ایک مثبت اور نتائج آفریں نظریۂ حیات ہے۔ جس سے تمام بلند تر انسانی اقدار کا استنباط ہوتا ہے۔ بخلاف تین میں ایک اور ایک میں تین کے کہ اس نظریہ کی حیثیت محض معذرت خواہانہ منطق کی سی ہے۔ چنانچہ اس کو ایک عذر اور اس کا جواب تو قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے حق میں گھسی پٹی عقلی و کلامی بحث سے بھی کام لیا جا سکتا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی حیثیت ایک جاندار دعویٰ، ایک مثبت پیغام اور ایسے نظریۂ حیات کی ہے جس سے عمل و کردار کے گوشے متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہم اس کو ایمانیات کی اساس نہیں مان سکتے۔ اس لیے کہ ایمان تصور و اعتقاد کی اس کیفیت سے تعبیر ہے جس سے ذہن و فکر جلا پائے۔ جس سے قوائے عمل میں تحریک پیدا ہو اور جو اس لائق ہو کہ کردار و عمل کے گوشوں کو سنوار سکے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے معذرت خواہانہ اور بے جان اور پیچیدہ طرز فکر سے تو ان نتائج کا معرض ظہور میں آنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

بہرحال اس آیت کے الفاظ میں یہ عقیدہ صریح غلو پر مبنی ہونے کے علاوہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف اور منافی ہے بلکہ غیر منطقی اور غیر نافع بھی ہے۔ غلو فی الدین کی بدترین مثال، بعض عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ حضرت مسیح کے علاوہ خود حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مریم بھی تقدیس والوہیت کی حامل تھیں۔ اس گروہ کو عیسائی مؤرخین کی اصطلاح میں انفطائرین (COLL ZRIDICNS) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فطائرین کے معنی ایسے گروہ کے ہیں جو حضرت مریم کو خدا سمجھ کر پوجتے تھے اور خصوصیت سے فطیری روٹیاں ان کی تصویر کے بھینٹ چڑھاتے تھے۔ "افیفانیوس" نے اپنی کتاب "الہرطقات" میں ان کا ذکر کیا ہے[۱۲]۔ قرآن حکیم نے اس عقیدہ کی بھی یہ کہہ کر تردید کی کہ جب حضرت مسیح بھی انبیا ہی کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے اور حضرت مریم اور یہ دونوں لوازم بشری سے اسی طرح اتصاف پذیر تھے۔ جیسے کہ تمام انسان اتصاف پذیر ہیں تو اس صورت میں یہ دونوں خدا یا الٰہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل و امہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام انظر کیف نبین الایات ثم انظر انی یؤفکون[۱۳]

مسیح ابن مریم تو صرف خدا کے پیغمبر تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ رہی ان کی والدہ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی سچی فرماں بردار تھیں۔ دونوں انسان تھے، اور انسانوں کی طرح کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے کیونکر اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور پھر دیکھو کہ یہ کیونکر بہکے جا رہے ہیں۔

یہاں مخاصمہ کے اس دقیق پہلو پر غور کیجیے کہ قرآن حکیم الوہیت کی تردید کے سلسلہ میں اگرچہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ جب حضرت مریم کا انتقال ہو چکا اور حضرت مسیح کے بارہ میں تم خود اعتراف کر چکے کہ انھوں نے بھی موت کا مزہ چکھا تو اس اعتراف کی روشنی میں ان کو خدا کہنا کیونکر درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ خدا بھی کہیں معاذ اللہ موت اور فنا سے دوچار ہوا ہے۔

قرآن حکیم اگر حضرت مسیح اور مریم کی الوہیت کے بارہ میں اس موقف کو اختیار کرتا تو یقیناً حق بجانب سمجھا جاتا لیکن اس نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ اس لیے کہ دلائل کے پیش کرنے میں قرآن کا اپنا اسلوب یہ ہے کہ صرف ایسے واقعات و شواہد ہی کو دلیل

---

[۱۲] النصرانیہ، ج ۱، ص ۱۱۲ [۱۳] المائدہ: ۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھرایا جائے، جو ہر طرح سے جانے بوجھے اور مسلمہ ہوں۔ مسیح کی موت سے متعلق عیسائی کہہ سکتے تھے کہ موت سراسر اختیاری فعل تھا، اور اس لیے تھا تاکہ حضرت مسیح موت کو اپنا کر بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکیں۔ اور اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو حضرت مسیح کبھی بھی لقمۂ اجل نہ بنتے۔ قرآنِ حکیم کی اس آیت میں موت کے بجائے معارضہ کو اس شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ کہ تاویلات سے قطع نظر یہ بات تو بہرحال سب جانتے بوجھتے ہیں کہ حضرت مسیح بقائے حیات کی خاطر لوازم بشری سے پوری طرح استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ بھوک مٹانے اور جسم کو توانا و تندرست رکھنے کے لیے مجبور تھے کہ عام انسانوں کی طرح غذا کا استعمال کریں۔ کھانا کھائیں، پانی پیئیں اور ان تمام تقاضوں کو پورا کریں جو جسم فانی کا خاصہ ہیں۔ ظاہر ہے احتیاج و مجبوری کی اس صورت میں ان کو خدا ماننا اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے انکار کے مترادف ہے کہ اس کی ذاتِ گرامی ہر طرح کی احتیاج سے بے نیاز اور بالا ہے۔

مباہلہ

عیسائیوں سے مخاصمہ کا ایک عجیب و غریب انداز مباہلہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فریقین اللہ سے دعا کریں کہ ان میں جو جھوٹا ہے اس پر لعنت ہو۔ بات یہ ہے کہ جب نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت کی خدمت میں تبادلِ خیالات کی نیت سے حاضر ہوا، اور اس نے حضرت مسیح کی الوہیت کا دعویٰ پیش کیا اور دلیل یہ پیش کی جب قرآن کے نقطہ نظر سے حضرت مسیح کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی ولادت اس مانوس اور جانے بوجھے طریق سے نہیں ہوئی، جس سے عام انسانوں کی یا انبیائے سابقین کی ہوئی ہے اس لیے ان کو زمرہ انبیا میں شامل رکھنا محض تحکم ہے۔ ان کی ولادت کے بارہ میں عیسائیت کی رو سے صحیح تر موقف یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی کا ظہور خاص قرار دیا جائے جو معجزانہ اسلوب سے سطح وجود پر ابھرا۔

آنحضرتؐ نے پہلے تو قرآنِ حکیم کے الفاظ میں اس دلیل کا جواب یہ ارشاد فرمایا، جو بدرجۂ غایت مختصر ہونے کے باوجود مسئلہ زیرِ بحث میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

انما مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون [۱۲]

[۱۲] آل عمران: ۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیسیٰ کا حال خدا کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے اس کا خمیر اٹھایا۔ اور پھر فرمایا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

اور پھر جب بحث و تفہیم کی کوششیں ناکام ہوئیں اور فریق مخالف اپنی ہٹ پر بدستور قائم رہا تو آنحضرتؐ کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ مباہلہ کی پیش کش فرمائیں۔ اس آیت میں جواب کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ جس چیز کو تم خرق عادت اور اعجاز قرار دے رہے ہو اس میں ندرت و شذوذ کا کون سا پہلو پایا جاتا ہے۔ کیا آدم کی تخلیق مالوف اور جانے بوجھے طریق سے ہوئی ہے اور اگر ایسا نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا تو کیا ان کی تخلیق و آفرینش معجزہ نہیں اور اگر معجزہ ہے تو کیا آدم کو خدا مان لیا جائے۔

غور و فکر کے اس مرحلے پر آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں کہ آیا انسان نے تکوین و آفرینش کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد وجود و تحقق کی موجودہ شکل اختیار کی ہے یا آدم ہی کو پہلا انسان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں انسانی تخلیق و آفرینش کے لیے ایسے نقطۂ آغاز کا ماننا بہرحال ضروری ہے، جس سے یہ عمل تخلیق براہ راست متعرض ہوا اور یہی وہ کیفیت ہے جس کو قرآن حکیم کلمۃ اللہ اور نفخہ سے تعبیر کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انسان یا آدم کی تخلیق میں یہی کلمہ اور نفخہ کار فرما رہا۔ اور اس کی پیدائش و ظہور میں معروف اور جانا بوجھا اسلوب اظہار اختیار نہیں کیا گیا تو اسے عیسائی علم الکلام کی رو سے کیوں نہ الٰہ قرار دیا جائے

اس معارضہ میں خصوصیت سے آدم کی مثال قرآن حکیم نے اس بنا پر پیش فرمائی ہے کہ اہل کتاب کے تمام حلقوں میں حضرت آدم کی تخلیق و پیدائش کا یہی تصور معلوم اور مسلمہ تھا کہ ان کو قدرت الٰہی نے تعلیل و تسبب کے جادہ سے ہٹ کر براہ راست خلعت وجود بخشا اور روئے زمین پر اپنا نائب مقرر کیا۔ ورنہ غور کیجیے تو اس عالم کی ہر چیز معجزہ ہے۔ ذرہ بے مقدار کو دیکھیے کہ بایں صغت کتنی قوت و طاقت کے کس درجہ عظیم خزائن اپنی آغوش میں چھپائے ہوئے ہے۔ نباتات پر نظر ڈالیے اور فطرت کے اس اعجاز کا ملاحظہ کیجیے کہ ایک حقیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیج کیونکر زمین کا سینہ چاک کر کے نمودار ہوتا اور اپنی ہستی منواتا ہے اور پھر اس طرح اپنے گردوپیش سے نشوونما کے اسباب فراہم کرتا اور رنگ اور مہک کی بوقلمونیوں کو جنم دیتا ہے اور زندگی کے اس بالکل سادہ اور ابتدائی ڈھانچے پر غور کیجیے جسے حیاتیات کی اصطلاح میں امیبا کہا جاتا ہے۔ یہ نہ زیادہ خلیوں سے بہرہ مند ہے نہ سارے جسم میں پھیلے ہوئے اعصاب کی پیچیدگیوں سے آشنا ہے اور نہ معدہ اور جگر اور دوسرے اعضا ہی سے لیس ہے اس پر بھی اس میں زندگی کا داعیہ اور حوصلہ موجود ہے۔ کیا یہ سب چیزیں فطرت کے عجائب کا مظہر نہیں۔ کوتاہ نظر عیسائی متکلمین کو حضرت مسیح کی ولادت میں تو اعجاز کا پہلو نظر آتا ہے لیکن یہ اس حقیقت پر کیوں غور نہیں کرتے کہ ہر انسان کی پیدائش میں خوارق و معجزات کا ایک کارخانہ پنہاں ہے۔ کیا ایک قطرۂ آب اور ضعیف و ناتواں جرثومے کا قوی ہیکل اور زیرک و دانا انسان کے قالب میں ڈھل جانا اور شکل وصورت کے ممیزات کے علاوہ عادات ونفسیات کی خصوصیات تک کو توارث کے ذریعے محفوظ رکھنا کم درجہ کا معجزہ ہے۔ انصاف اور صلاحیتِ فکر وتدبر شرط ہے۔ اس عالمِ محسوس کی ہر شئی اپنی ساخت اور وجود میں ندرت و اعجاز کے ایسے ایسے پہلو لیے ہوئے ہے کہ عقل ان کے سمجھنے میں حیران وششدر ہے معارضہ کے اس تجزیہ سے عیسائی متکلمین کے استدلال کا کھوکھلا پن اگرچہ واضح ہوجاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ابھرتا ہے کہ الوہیتِ مسیح کے بارہ میں قرآن کا جواب مسلم۔ یہ بھی مان لیا کہ تخلیق آدم کی مثال محض رمز و اشارہ کے طور پر پیش کی گئی ہے اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ کسی بھی شئی میں ندرت و اعجاز کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ یہ شئی تقدیس والوہیت کی سزاوار ہے مگر اس میں کیا تک ہے کہ مباہلہ کی پیش کش کر کے جو قطعی غیر منطقی طرزِ معارضہ ہے، غور و فکر اور بحث و تجسس کے دروازوں کو بند کر دیا جائے، ہوسکتا ہے نجران کا وفد اگر معارضہ کو سمجھنے سے قاصر رہا تو ان کے بعد منطق و استدلال کی روشنی میں اس بحث کو آگے بڑھایا جاسکے۔ بحث کی راہ میں ایسی رکاوٹ تو پیدا نہیں کرنی چاہیے جس سے یہ فکر و استدلال کے دائرے سے نکل کر ایسے دائروں میں داخل ہو جائے جہاں فکر و استدلال کے ارتقا کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولاً دلیل کا جواب دلیل سے اور معارضہ کا جواب معارضہ ہی سے ممکن ہے۔ یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ جو بحث استدلال اور معارضہ کی منطق سے تعلق رکھتی ہے، اس کو استدلال سے نمٹانے کے بجائے ایسے طریق سے نمٹانے کی کوشش کی جائے جو بجائے خود محلِ نظر اور ایسا ہو کہ پہلے اس کا جواب بجائے خود مستند، صائب اور معقول ہونا ثابت کرنا پڑے۔ اس اعتراض میں کتنا وزن اور معقولیت ہے۔ اس کو جانچنے کے لیے علی الترتیب ان تین نکات پر غور کیجیے۔

(۱) قرآن حکیم نے مباہلہ کی پیش کش اس کے باوجود بحث و تحقیق کے دروازوں کو بند نہیں کیا۔ بلکہ جب یہ دیکھا کہ اہلِ نجران کے فکر و استدلال اور قوتِ دریافت کی سطح اتنی بلند نہیں کہ وہ توحید ایسے واضح، روشن اور فطری عقیدہ کی حقانیتوں کو سمجھ سکیں۔ تو عقل و فہم سے ماورا، اور تفہیم و تبلیغ کی سہولت کے پیش نظر فرمایا اچھا تم اگر یوں توحید کی حقانیت اور اسلام کی سچائی کو پہچاننے سے قاصر ہو تو آؤ ایک دوسرے طریق کو آزما کر دیکھ لیں کہ ہم مسائل زیر بحث پر باہم مباہلہ کر کے دیکھ لیں۔ اس سے نہایت آسانی کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ منطقی موشگافیوں اور متکلمانہ بحث آرائیوں سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کس گروہ کے شاملِ حال ہے اور وہ کون جماعت ہے جس کو براہِ راست حضرت حق کی رضا اور خوشنودی حاصل ہے۔

(۲) ہر فن اور علم کے پیمانوں کا تعین اس کی ماہیت اور دائرۂ کار سے ہوتا ہے۔ یعنی جو منطق حسیات میں کارفرما اور مفید ہے۔ مابعد الطبیعی مسائل کو سلجھانے میں ان سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ کیونکہ دونوں کی ماہیت اور دائرۂ کار بہرحال ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ ریاضی، ہندسہ اور تعمیرات میں جو اصول برتے جاتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ فلسفہ اور جمالیات میں بھی انہی سے کام لیا جائے۔ ریاضی کا تعلق اعداد سے ہے۔ ہندسہ مقادیر و خطوط سے تعرض کناں ہے۔ تعمیرات میں جگہ اور اس کی مناسب تقسیم کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور جمالیات کے دائرۂ کار میں ذوق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہی حال طبیعیات اور مابعد الطبیعی مسائل کا ہے۔ طبیعیات میں بحث کا محور محسوسات ہیں۔ اور مابعد الطبیعیات میں مدار استدلال فکر و تخیل کی جلوہ گری اور وسعت و وضاحت ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح سائنس، فلسفہ، فنونِ لطیفہ یا ریاضی و ہندسہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیچیدہ مسائل کو سمجھانے کے الگ الگ پیمانے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح مذہب و دین کی ماہیت اور دائرہ کار بھی اپنی ایک منطق اور اپنا ایک پیمانہ فہم و ادراک رکھتا ہے۔ جس سے اگر کام لیا جائے تو مشکل سے مشکل مسائل آن کی آن میں حل ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ البتہ ضروری ہے کہ یہ پیمانہ اور منطق بجائے خود سمجھ میں آنے والا اور صحیح ہو۔

(۳) ان دو نکتوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد حل طلب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ مباہلہ اپنی آغوش میں کس منطق یا پیمانہ فہم و ادراک کو لیے ہوئے ہے۔

اس سوال کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مباہلہ میں پنہاں منطق کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقیدہ وہ ہے جو اپنی ساخت کے اعتبار سے یکسر نظری ہے۔ پیچیدہ طرز استدلال پر مبنی ہے اور فکر و نظر کے تضاد، الجھاؤ یا الفاظ و مقدمات کی جادوگری کا رہین منت ہے اور ایک وہ عقیدہ ہے جو اپنے مزاج اور ساخت کے لحاظ سے سادہ، معقول اور پیغام آفرین ہے، جس میں نہ صرف کوئی الجھاؤ اور تضاد پایا نہیں جاتا بلکہ جو اپنی ساخت اور فطرت میں ایک خاص طرح کے پیغام و دعوت کو لیے ہوئے ہے۔ دونوں میں وہی فرق کارفرما ہے جو زندگی اور موت میں ہے حرکت و سکون میں ہے یا بے اثری اور اثر آفرینی میں ہے۔ نظریاتی نقطۂ نظر ایمان و یقین کی اس سطح پر کبھی فائز نہیں ہو سکتا جہاں انسانی فکر کو جلا ملے، انسانی ذہن زندگی سے آشنا ہو اور انسانی کردار و عمل میں اعتماد اور توکل کے دواعی بیدار ہوں۔ ایسا نقطۂ نظر فلسفہ اور علم الکلام کا ایک عمدہ باب تو ہو سکتا ہے، ایمان نہیں کہلا سکتا۔ یہی وجہ ہے نجران کے اس وفد کے سامنے جب مباہلہ کی تجویز رکھی گئی تو بجائے مباہلہ کرنے اور اس آزمائش میں کامیاب اور سرخرو ہونے کے انھوں نے سپر ڈال دی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ توحید نے مسلمانوں میں خود اعتمادی کی جس کیفیت کو جنم دیا تثلیث اپنے ماننے والوں میں یہ کیفیت پیدا نہ کر سکی۔

اس منطق کا دوسرا پہلو اس حقیقت کا اعلان ہے کہ دنیا میں جو نیکی اور برائی ظلم و عدل اور علم و جہل میں ایک آویزش، لڑائی اور مقابلہ کی صورت چلائی جاتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حیثیت ایسی غیر جانبدار ہستی کی نہیں جس کو اس جنگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو بلکہ اس کے برعکس یہ ہستی جو منبع خیر اور سرچشمہ اقدار ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھلے بندوں اس بات کی نمازی ہے کہ حق پہلے پھولے سچائی کی فتح ہو، اور وہ گروہ بہرحال کامیاب و کامران ہو جو حق کا علم بردار اور نیکی کا داعی اور نقیب ہے۔

اس منطق کا تیسرا اور بنیادی پہلو جس سے مباہلہ کی پیش کش کو حق بجانب ٹھہرایا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ اگر عیسائیوں کا وفد اس دعوتِ مبارزہ کو قبول کر لیتا اور اس کے نتیجے میں جان سے مارا جاتا، ذلیل ہوتا اور فی الواقع اس لعنت و غضب کا سزاوار قرار پاتا، جس کا ذکر آیت مباہلہ میں کیا گیا ہے تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہوتا کہ خود حضرت حق نے اس بات کی تصدیق فرما دی ہے کہ میری ذات ہر طرح کے شرک، ثنویت اور تثلیث سے پاک اور منزہ ہے۔

حکمتِ رومی

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

جلال الدین رومی کے افکار و نظریات ایسے دائمی حقائق پر مبنی ہیں جن کی اہمیت اور قدر و قیمت میں گردشِ زمانہ کوئی کمی نہ کر سکی اور ان کی مثنوی سے علامہ اقبال بھی ویسے ہی متاثر ہوئے جیسے کہ مولانا جامی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی یہ تصنیف رومی کے افکار و نظریات کی حکیمانہ تشریح ہے جس میں ماہیتِ نفسِ انسانی، عقل و عشق، وحی و الہام، وحدتِ وجود، احترامِ آدم، صورت و معنی، عالم اسباب اور جبر و قدر کے بارے میں رومی کے خیالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۲۵۰

قیمت ۰۰/۸ روپے

ملنے کا پتہ: سیکرٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com